حدیث بطور ماخذِ تاریخ: مسلم اور مغربی مناہجِ تحقیق کا تقابلی جائزہ

(*Ḥadīth* as a Source of History: A Comparative Study of Muslim and Western Critical Methodologies)

* ڈاکٹر محمد ناصر محمود وڑائچ

Abstract

The discussions on the issue of the authenticity of *Ḥadtīh* literature may be traced back to centuries. Both Muslims and non-Muslims scholars have worked in the field. Many Western scholars deny the *Ḥadtīh* literature as an authentic source of history. This paper intends to elucidate the broad-spectrum guiding principles for substantiating and authenticating the historical sources, then to explain the principles of criticism used in validating and corroborating *Ahādīth.* It, after presenting a comparative study of Muslim and Western critical methodologies, indorsed the idea of considering *Ḥadtīh* as an authentic source of history.

Key words: *Ḥadtīh*, Source of History, Methodology, Western, Muslim

مطالعہ حدیث صدیوں پر محیط ہے، جو مسلمانوں اور غیر مسلموں کے لیے یکساں موضوع بحث رہا ہے۔ مستشرقین نے ابتدائی اسلامی تاریخ کے تنقیدی مطالعہ میں نقد حدیث کو پہلی ترجیح دی اور اکثر نے مجموعہ حدیث کو غیر مستند تصور کیا

*لیکچرر شعبۂ اسلامی و عربی علوم، یونی ورسٹی آف سرگودھا، سرگودھا

ہے۔ مثال کے طور پر ہنری لیمنز (Henri Lammens) (م1937ء) نے حدیث کی ثقاہت کو مشکوک قرار دیتے ہوئے ذخیرۂ حدیث کے لیے تاریخی جعل سازی کی اصطلاح وضع کی ہے:

> Thus, when the Muslim Tradition presents itself an independent source of information, based on extensive research….we do well to receive it with skepticism….the inexhaustible fluency of the famous Abu Huraira. We can thus consider the Muslim Tradition as one of the greatest historical frauds, whose memory the annals of literature have preserved. [1]

جوزف شاخت (Joseph Schacht) (م1969ء) کے نزدیک احادیث کی بنیاد پر ایک مستند ابتدائی اسلامی تاریخ مرتب نہیں کی جاسکتی کیونکہ احادیث مستند تاریخ نویسی کی ضروریات پورا نہیں کرتیں۔ اس کے مطابق ایک مؤرخ کی یہ فطری خواہش ہوتی ہے کہ مثبت نتائج پر پہنچ جائے لیکن اسلامی روایات کے معاملہ میں ہرگز ایسا نہیں ہوتا کیونکہ یہ باہم متضاد نظریات کا ایسا ذخیرہ ہے جو نامعلوم زمانے میں گمنام شخصیات کی کوششوں کا نتیجہ ہے:

> It is only natural for a to wish to arrive at positive conclusions, and I agree whole heartedly that it is not satisfactory to regard the collections of Islamic traditions as a mass of contradictory views formulated at uncertain by unknown persons.[2]

جان وانسبرو (John Wansbrough) (م2002ء) نے تو حدیث، سنت اور سیرت کو تاریخ ماننے سے ہی انکار کردیا ہے۔ اس کے نزدیک تمام ابتدائی اسلامی ادب ایک مقدس یا نجاتی تاریخ (Salvation History) ہے لیکن ایک تاریخ ہرگز نہیں ہے۔ اگرچہ اس نجاتی تاریخ سے کسی درجہ پر اصل تاریخ کو بھی کشید کیا جاسکتا ہے لیکن مسئلہ یہ

[1] Hernri Lammens, “The Koran and Tradition”, in Ibn Warraq, *The Quest for the Historical Muhammad*, 171.

[2] Schacht, "A Revaluation of Islamic Traditions", in Ibn Warraq (Ed.), *The Quest for the Historical Muhammad*, 359.

ہے کہ مسلمان دو صدیوں تک اسی فکر میں غلطاں رہے کہ اسلامی تاریخ کیسی ہونی چاہیے اور دوسرے لوگوں کو اسلام کو کس طرح دیکھنا چاہیے۔ حقیقت یہ ہے کہ مقدس اور نجاتی تاریخ کو ایک سائنٹیفک تاریخ کے لبادے میں ادب کے نام سے پیش کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ ضروری ہے کہ اس اسلامی ادب (حدیث و سیرت) کو نقدِ جمع و تدوین (Form Criticism)، نقدِ متن (Redaction Criticism) اور ادبی تنقید (Literary Criticism) کی کسوٹی پر پرکھا جائے۔[3]

حدیث کے متعلق مسلمانوں کی رائے مذکورہ بالا مستشرقین کی آراء کے مکمل طور پر برعکس اور متصادم ہے۔ مسلمان مکمل طور پر اس تحقیقی و تنقیدی منہج پر اعتماد رکھتے ہیں جو اصول حدیث کے عنوان سے ذخیرہ حدیث کی استنادی بنیاد ہے۔ مستشرقین کے منہج حدیث پر عدم اعتماد کی ایک بنیادی وجہ جدید مغربی تاریخی تنقیدی منہج اور حدیث کے مسلم تنقیدی منہج کے مابین تفاوت ہے۔ اب یہ سوال پیداہ ہوتا ہے کہ حقیقت کہاں پنہاں ہے؟ اس سوال کے جواب میں ابتدائی طور پر یہ بات معاون ہوگی کہ حدیث کے منہج تنقید کا جدید مغربی تاریخ کے تنقیدی طریقہ کار سے تقابل کیا جائے۔ لہٰذا اس مقالہ کا مقصد اوّلاً تاریخی ذرائع کے عمومی اشارات کی تصدیق کی وضاحت اور ثانیاً احادیث کی ثقاہت کے عمومی راہنما نکات کی تشریح و توضیح کرنا ہے اور آخر میں ان دونوں مناہج کا موازنہ کیا جائے گا۔

جدید مغربی منہج تنقید

جب واقعات رونما ہوتے ہیں تو معاصرین ان سے آگہی حاصل کر کے انہیں آنے والی نسلوں تک منتقل کرتے ہیں۔[4] روزمرہ زندگی میں لوگ واقعات کے اس علم کو قبول کرتے ہیں جو ان واقعات کے شاہدین بیان کرتے ہیں اور جسے مکمل طور پر آگے بیان کیا جاسکے۔ جیسے ایک عدالت میں ایک خاص واقعہ کے گواہان کے ذریعہ حقائق کو شک کے شائبہ سے بالا تر ثابت کیا جاتا ہے اسی طرح ایک مؤرّخ کے لیے ایک مناسب اور قابل اعتبار شہادت تاریخی واقعات کے ناقابل تردید اور مواخذہ سے بالاتر علم کا ماخذ ہے:

> Testimony, sufficient, reliable testimony, is a source of unimpeachable, indisputable knowledge of historical events.[5]

---

[3] John Wansbrough, *Res Ipsa Loquitur: History and Mimesis* (Oxford: Oxford University Press, 1987), 14-15.

[4] William Lucey, *History: Methods and Interpretation* (Chicago: Loyola, 1958), 20.

[5] Lucey, *History: Methods and Interpretation*, 18.

تاریخی منہج تنقید ان قواعد و ضوابط پر مشتمل ہے جن کی مدد سے مؤرّخین ابتدائی ماخذ اور دیگر شواہد کی بنیاد پر تحقیق کرتے اور ماضی کے واقعات کے استناد اور ثقاہت کا تعین کرنے کے بعد ان کو تاریخ کی صورت مرتب کرتے ہیں۔ تاریخی طریقہ کار اور تاریخ لکھنے کے مختلف مناہج کو تاریخی نویسی یا وقائع نگاری کہا جاتا ہے۔ اس فلسفہ تاریخ میں ایک فطری سوال جو نظریہ علم کے طور پر اٹھایا جاتا ہے وہ ایک ٹھوس تاریخی طریقہ کار کے تعین کے متعلق ہے۔ جدید مغربی منہج تاریخ میں اس تاریخی تنقیدی طریقہ کار کو نقدِ ماخذ(Source Criticism) کا اصطلاحی نام دیا جاتا ہے۔ مغربی تاریخ میں پہلی مرتبہ یہ اصطلاح 1566ء میں جین بودین(Jean Bodin) نے اپنے مقالے 'Source Criticism' میں متعارف کرائی۔[6] بودین کے اس مقالے کا مقصد وہ طریقہ کار طے کرنا تھا جس کی بدولت ماخذ کے نقد اور باہمی تقابل سے ماضی کا ثقہ علم حاصل ہو سکے اور ان ماخذ کی فراہم کردہ معلومات کے تنقیدی تجزیے کے بعد (مؤرّخین کے) متعلقہ مفادات کو آشکار کیا جاسکے:

> Bodin's treatise intended to establish the ways by which reliable knowledge of the past could be established by checking sources against one another and by so assessing the reliability of the information conveyed by them, relating them to the interests involved.[7]

مغربی تاریخ میں جدید نقد ماخذ(Source Criticism) کو جرمن مؤرّخ لیوپولڈ وان رینک(Leopold von Ranke (1795-1886) سے منسوب کیا جاتا ہے جس کی فکر مختلف انداز سے بحر اوقیانوس کے دونوں طرف یکساں اثر انداز ہوئی۔[8] امریکی تاریخ زیادہ تر ایک غیر منطقی انداز سے مرتب ہوئی۔[9] جرمن مؤرّخ ارنسٹ برن ہیم

[6] C. Lorenz, *History: Theories and Methods*, in Smelser, N. J. & Baltes, B. (eds.) International Encyclopedia of the Social and Behavioral Sciences (Amsterdam: Elsevier, 2001), 6870.

[7] Lorenz, *History: Theories and Methods,* 6870.

[8] Peter Novick, *That Noble Dream: The 'Objectivity Question' and the American Historical Profession* (Cambridge: Cambridge University Press, 1988), 45-62.

[9] Novick, *That Noble Dream,* 45-62.

(Ernst Bernheim)(1942)[10] اور چارلس وکٹر لینگ لائس(C.V. Langlois)(1929) اور چارلس سین بوس (Charles Seignobos)(1942)[11] کی کتب مغربی تاریخ کی ابتدائی کتب میں دو معروف ترین کتب شمار ہوتی ہیں۔[12] ان کتب میں نقدِ ماخذ(Source Criticism)کے طریقہ کار کو درج ذیل سات مراحل یا درجات میں تقسیم کیا گیا ہے:

1۔ اگر کسی واقعہ کے تمام مآخذ باہم متفق ہوں تو مؤرّخین اس واقعہ کو ثقہ قرار دے سکتے ہیں۔

2۔ تاہم، محض اکثریت ہی ثقاہت کا معیار نہیں، اگر زیادہ مآخذ کسی واقعہ کو ایک جیسا ہی بیان کریں تو بھی جب تک متن کا تنقیدی تجزیے کی کسوٹی پر پورا نہیں اترتا اکثریت کو ترجیح نہیں دی جا سکتی۔

3 ۔اگرایک ماخذ کے کسی واقعہ کی جزوی طور پر دیگر خارجی شواہد کے حوالے سے تصدیق ہوتی ہو تو اس کو کلی طور پر ثقہ تسلیم کیا جائے گا اگرچہ کلی طور پر اس واقعہ کی تصدیق ممکن نہ ہو۔

4۔ جب ایک خاص نکتہ پر دو ماخذ باہم اختلاف کریں تو مؤرّخ اس ماخذ کو ترجیح دے گا جس کا مصنف اپنے میدان کا ماہر ہو یا عینی شاہد ہو۔

5۔ عینی گواہان کو ترجیح دی جائے گی۔

6۔ اگر دو الگ الگ تخلیق کردہ مآخذ ایک معاملہ پر متفق ہوں تو ہر ایک کی ثقاہت میں افزودگی تصور کی جائے گی۔

7۔ جب دو مآخذ باہم مختلف ہوں (اور ان کی جانچ پرکھ کا کوئی دیگر ذریعہ بھی نہ ہو) تو مؤرّخین اس ماخذ کو ترجیح دیں گے جو عام فہمی سے زیادہ مناسبت رکھتا ہو۔[13]

گلبرٹ جے۔ گراگھم (Gilbert J. Garraghan) نے نقدِ ماخذ (Source Criticism) کو چھ قسم کی تحقیقات میں تقسیم کیا ہے: 1۔ماخذ تحریری یا زبانی طور پر کب وجود میں آیا؟ 2۔ماخذ کو کس جگہ تخلیق کیا گیا؟ 3۔اسے کس نے

---

[10] Novick, *That Noble Dream,* 45-62.

[11] Charles Victor Langlois & Charles Seignobos, *Introduction aux Études Historiques* [Introduction to the Study of History] (Paris: Librairie Hachette, 1898).

[12] Martha Howell & Walter Prevenier, *From Reliable Sources: An Introduction to Historical Methods* (Ithaca: Cornell University Press, 2001), 70.

[13] Howell & Prevenier, *From Reliable Sources*, 70-71.

تخلیق کیا تھا؟4۔ پہلے سے موجود کس مواد سے اس کی تخلیق ہوئی؟5۔ اس کی کونسی اصل حالت تھی جس پر اسے وجود ملا تھا؟6۔ اس کے متن کی شہادت سے متعلق اہمیت کیا ہے؟[14]

مندرجہ بالا میں سے پہلی چار اقسام کی تحقیقات کو 'انتقادِ اعلیٰ(Higher Criticism)'، پانچویں کو 'انتقادِ زیریں(Lower Criticism) ' اور مجموعی طور پر ان پانچوں اقسام کو 'خارجی تنقید(External Criticism)' کہا جاتا ہے۔ چھٹی اور آخری قسم کی تفتیش و تحقیق کو 'داخلی تنقید(Internal Criticism)' کا نام دیا جاتا ہے۔[15]

جب ایک مؤرّخ کوئی چیز حاصل کرتا ہے جو کہ بالواسطہ یا بلا واسطہ ایک خاص واقعہ کے متعلق معلومات بہم پہنچاتی ہے مثلاً ایک کتاب، ظروف کا ایک ٹکڑا، کوئی تصویر یا کوئی زبانی روایت تو اسے چاہیے کہ وہ ان کا معائنہ تنقیدی طریقہ ہائے کار کے استعمال کے ذریعے کرے۔ یہ تاریخی ذرائع یا "گواہان" شہادت یا معلومات مہیا کرتے ہیں۔ خارجی تنقید کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ ایک ماخذ اور اس کے مبنی بر صداقت ہونے کی تصدیق کرے۔[16] مقابلتاً داخلی تنقید کا تعلق ایک شہادت کے درست معانی ثابت کرنا اور گواہ کے قابلِ اعتبار ہونے کا ثبوت فراہم کرنا ہوتا ہے۔ یقیناً ماخذ پر تنقید کے بنیادی اصول وہ ہیں جو حقائق کے ثبوت کی طرف راہنمائی کرتے ہیں۔[17] چنانچہ نقدِ ماخذ(Source Criticism) کو بنیادی طور پر دو حصوں، خارجی تنقید اور داخلی تنقید، میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

خارجی تنقید(External Criticism)

خارجی تنقید میں ایک خاص ماخذ کی بنیادوں پر تحقیق کی جاتی ہے جبکہ اس کے متن یا مواد کا تجزیہ داخلی تنقید کے لیے چھوڑ دیا جاتا ہے۔ ایک مؤرّخ کے لیے ضروری ہے کہ وہ ماخذ کی بنیادوں کے بارے میں تمام ممکنہ معلومات حاصل کرے اور اس ماخذ کو اس کی اصل حالت پر بحال بھی کرے۔[18] خارجی تنقید سے مقصود کسی مصدر و ماخذ کی ثقاہت کو یقینی ثابت کرنا ہے۔ ایک ماخذ کی سند اور ثقاہت واضح کرنے کا مطلب یہ ثابت کرنا ہے کہ آیا یہ شہادت واقعی اس شخص کی ہے جس سے منسوب کی گئی ہے یا اس کا تعلق واقعی اس زمانے سے ہے جس سے یہ متعلق ہونے کی دعویدار ہے نیز یہ

14 Gilbert J. Garraghan, *A Guide to Historical Method*, (New York: Fordham University Press 1946), 168-70.

15 Garraghan, *A Guide to Historical Method*, 70.

16 Lucy, *History: Methods and Interpretation*, 23.

17 Arthur Marwick, *The Nature of History* (London: Macmillan, 1989), 196.

18 Lucey, *History: Methods and Interpretation*, 23.

کہ یہ وہی کچھ ہے جس کا اس میں دعویٰ کیا گیا ہے۔ماخذ کی بنیادوں کے متعلق تمام معلومات حاصل کرنا بھی ماخذ کی استنادی حیثیت اور ثقاہت جانچنے کے لیے ضروری ہے تاکہ معلوم ہو سکے کہ موجودہ زمانے تک منتقلی کے دوران اس میں ترمیم و تحریف تو نہیں کی گئی اور اگر کچھ حق و اضافہ یا ردوبدل ہوا ہے اور جو تبدیلیاں واقع ہوئی ہیں تو کیا ان کی شناخت کر لی گئی ہے۔

خارجی تنقید کے پہلے مرحلہ یعنی شہادت کے ثبوت کے لیے کثیر النوع سوالات کے جوابات دیے جانا ضروری ہیں۔ سب سے پہلے یہ طے کرنے کی ضرورت ہوتی ہے کہ ماخذ کی ابتداء کب اور کہاں ہوئی۔[19] مثال کے طور پر اگر کوئی مؤرّخ یمن میں کھدائی کے نتیجے میں مصری ظروف حاصل کرتا ہے تو یہ بات بہت اہم ہو گی کہ وہ کس جگہ پائے گئے ہیں کیونکہ اس سے اس بات کی جانب اشارہ ہو گا کہ مذکورہ بالا دونوں ممالک کے درمیان تجارت ہوتی رہی ہے۔ مزید برآں ایک مؤرّخ کے لیے ماخذ کی تاریخ جاننا بھی ضروری ہے تاکہ واضح ہو سکے کہ یہ تاریخ زیرِ تفتیش موضوع کے کتنے قریب ہے۔[20] دوسرا قابلِ ذکر نکتہ یہ طے کرنا ہے کہ اس تاریخ کی دیگر تواریخ سے تعلق کی کیا نوعیت ہے۔ ماخذ کی ابتداء اور بنیاد سے متعلق یہ تمام معلومات داخلی تنقید میں بھی مدد و معاون ہوتی ہیں۔

خارجی تنقید میں دوسرا اور آخری مرحلہ مآخذ کی سالمیت اور صداقت کا تجزیہ کرنا ہے۔ بالفاظ دیگر اس امر کی تشفی کرنا ضروری ہے کہ ماخذ یا شہادت مؤرّخ تک مکمل سلامتی کے ساتھ اور بغیر کسی خرابی کے پہنچی ہو۔یہی وہ واحد صورت ہے جس میں کسی شہادت کو مکمل طور پر درست ثابت کیا جا سکتا ہے۔[21] اگر شہادت میں تبدیلیاں کی گئی ہوں تو مؤرّخ کو اس قابل ہونا چاہیے کہ وہ اصل ماخذ اور تبدیلیوں کے مابین فرق کر سکے تاکہ ماخذ کی ثقاہت برقرار رہے۔ اگرچہ اصل ماخذ میں دانستہ یا نادانستہ طور پر کمی بیشی ہو سکتی ہے تاہم یہ بات ثابت کرنی چاہیے کہ وہ موضوعاتی لحاظ سے بالکل درست اور مربوط ہے۔ یہاں یہ بات بھی مدِ نظر رہے کہ ماخذ کی غیر محتاط طریقے سے نقل تیار کرنے کے دوران غلطی اور خرابی کا وقوع پذیر ہونا ایک عام سی بات ہے جس کا نتیجہ اکثر ایک عظیم غلط فہمی کی صورت ظاہر ہوتا ہے۔[22] یہ سب کچھ واضح کرنے کے بعد ہی اب مؤرّخ شہادت کا تجزیہ کر سکتا ہے۔

آر۔ جے۔ شیفر (R. J. Shafer) کی خارجی تنقید کے متعلق رائے ذرا مختلف قسم کی ہے:

[19] Marwick, *The Nature of History*, 222.

[20] Marwick, *The Nature of History*, 222.

[21] Marwick, *The Nature of History*, 62.

[22] Marwick, *The Nature of History*, 62.

It sometimes is said that its function is negative, merely saving us from using false evidence; whereas internal criticism has the positive function of telling us how to use authenticated evidence.[23]

بعض اوقات یہ کہا جاتا ہے کہ یہ عمل منفی نوعیت کا ہے کہ محض ہمیں جھوٹی شہادت استعمال کرنے سے بچانا ہے، جب کہ داخلی تنقید ایک مثبت عمل ہے جسے سے ہمیں ایک ثقہ شہادت کو استعمال کرنے کا موقع ملتا ہے۔

داخلی تنقید(Internal Criticism)

داخلی تنقید ماخذ کے مشتملات اور متن سے متعلق ہوتی ہے اور فطرتاً خارجی تنقید کے بعد آتی ہے۔[24] اس مرحلہ میں مقصد شہادت کی ساکھ اور اس کے قابل اعتبار ہونے کا ثبوت فراہم کرنا ہوتا ہے۔ داخلی تنقید کا آغاز کرتے ہوئے ایک مؤرّخ کے لیے یہ جاننا انتہائی ضروری ہے کہ ایک عینی شاہد کی اپنی گواہی کو کیا رنگ دے رہا ہے اور صرف اسی صورت میں ہی مؤرّخ زیرِ غور گواہ کی ساکھ کا تعین کرنے کے قابل ہو سکتا ہے۔ گواہ کی ساکھ کا تعین کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اس کی مجازیت (کہ وہ واقعہ کا علم رکھتا ہے) اور صداقت دونوں کو ثابت کیا جاسکے۔ عملی طور پر بعض شہادتوں کو مذکورہ بالا آزمائشوں کی بنیاد پر مسترد جبکہ شہادتوں کی ایک قابل ذکر تعداد کو ثقہ تسلیم کرلیا جاتا ہے۔[25]

اس حقیقت کے تناظر میں کہ، زبان مسلسل تغیر پذیر حالت میں ہوتی ہے، ایک شہادت کے درست معانی اخذ کرنا آسان کام نہیں ہے۔ بسا اوقات الفاظ کا حقیقی استعمال نہیں ہوتا اور نئے معانی ان سے منسوب ہو جاتے ہیں۔ مؤرّخ کے لیے اس امر کی ضرورت ہے کہ وہ ان معانی کو تلاش کرے جو راوی یا گواہ مخصوص الفاظ سے منسوب کرتا ہے تاکہ وہ شہادت کو مناسب طور پر سمجھ سکے۔ اس کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ ان محاورات سے واقف ہو جو ماخذ کی ابتداء کے وقت مستعمل تھے۔ واضح رہے کہ مؤرّخ کے لیے کسی ماخذ کی زبان میں مہارت تامہ کا حامل بھی ہونا ضروری ہے تاکہ اس کا فہم اور ادراک شک و شبہ سے بالا ہو۔

---

23 Gilbert J. Garraghan, A Guide to Historical Method, 118.

24 Lucey, William, *History: Methods and Interpretation*, 24.

25 Lucey, William, *History: Methods and Interpretation*, 24.

کسی ماخذ یا شہادت کے کامل ادراک کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ اس کے مصنف یا مصنفین کی سیرت و کردار، رویے اور دلچسپیوں سے مکمل آگہی حاصل ہو۔[26] ایک مؤرّخ کو ان کی تعلیم، سماجی مرتبے، سیاسی نظریات اور کردار کے متعلق پوری تفتیش کرنی چاہیے۔[27] نیز ان کی عمر اور مزاج سے آشنائی بھی ضروری ہے۔ یہ علم کسی عینی شاہد کی ساکھ کا تعین کرنے میں بڑی حد تک مدو معاون ثابت ہوگا۔ مزید برآں یہ جاننا بھی کم اہمیت کا حامل نہیں کہ کوئی ماخذ کیسے اور کیوں معرض وجود میں آیا، اس کی تخلیق کس تناظر اور کن اہداف و مقاصد کے پیش نظر واقعہ ہوئی تھی۔ جب مؤرّخ شہادت کے متن کو صحیح طریقے سے سمجھ لے اور گواہ یا عینی شاہد کی مراد بھی جان لے تو اس کے بعد وہ گواہ کی ثقاہت یا ساکھ کا تجزیہ اور تعین کرنے کی سمت بڑھ سکتا ہے۔[28]

اگلا مرحلہ یہ طے کرنا ہے کہ کیا ماخذ کے مصنّف یا مصنّفین زیرِ تحقیق واقعہ کا براہ راست علم رکھنے کے واقعتاً اہل تھے اور کیا وہ واقعی دیانتدار بھی تھے؟ کہا جاتا ہے کہ اس مرحلہ میں نہ تو بالکل سادہ رویّہ ہو جو اندھے اعتماد کی غمازی کرتا ہو اور نہ ہی متشکّک ہو بلکہ طرز عمل ایسا ہو جس سے زیر غور ماخذ سے انصاف کیا جا سکے۔[29] جب تک ایک گواہ مکمل طور پر غیر معتبر ثابت نہ ہو جائے اس کی شہادت کو رد نہیں کرنا چاہیے۔ ایک ایسا گواہ جس کی شہادت اکثر طور پر صداقت پر مبنی ہوتی ہو اس کی چھوٹی موٹی غلطیاں قابل قبول ہوتی ہیں۔ مؤرّخ لوسی کے الفاظ میں:

> The credibility of testimony, then, derives from the competence and veracity of the witness, and these two qualifications must not be taken for granted. His ability to observe must be established, the opportunity to observe verified, his honesty ascertained, his testimony compared with that of other witnesses to discount the errors any one witness may make.[30]

---

[26] Marwick, Arthur, *The Nature of History*, 222.

[27] Lucey, *History: Methods and Interpretation*, 73.

[28] Lucey, *History: Methods and Interpretation*, 78.

[29] Lucey, *History: Methods and Interpretation*, 73.

[30] Lucey, *History: Methods and Interpretation,* 73-74.

اس مرحلہ میں کچھ ایسے معاملات درپیش ہوتے ہیں جن میں مؤرّخ کو خاص طور پر محتاط رہنا چاہیے۔ اسے یہ فیصلہ کرنے میں انتہائی احتیاط برتنی چاہیے کہ ہر واقعہ کا عینی شاہد شہادت دینے کے اہل ہوتا ہے کیونکہ درست شہادت کے لیے صرف عینی شاہد ہونا کافی نہیں ہوتا بلکہ گواہ کا عادل و ضابط ہونا بھی ضروری ہے۔ دوسرا قابل لحاظ امر یہ ہے کہ غلطی کی وجوہات کو بھی مد نظر رکھا جائے۔ ان وجوہات میں سرفہرست کمزور یادداشت اور تعصّبات ہیں۔ ان کے علاوہ ناقص قوت مشاہدہ بھی ایک سنجیدہ مسئلہ ہے۔[31] گواہ یا ماخذ کے مصنف کی مذکورہ خامیوں کے باعث ایک مؤرّخ بڑی آسانی سے غلط فہمیوں کا شکار ہو جاتا ہے۔

عام طور پر مؤرّخین اکیلے گواہ کی شہادت قبول کرنے میں ہچکچاتے ہیں اگرچہ وہ گواہ شہادت دینے کے پوری طرح اہل ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ فطری طور پر ایک سے زیادہ گواہوں کو ترجیح دی جاتی ہےاور یہ زیادہ بہتر بھی ہے۔ یقیناً گواہوں کو شہادت کے اہل اور ایماندار ہونا چاہیے اور روایت شدہ واقعہ کا عینی شاہد بھی ہونا چاہیے یا کم از کم معیار یہ ہے کہ ان کے علم کی بنیاد عینی شاہدین کے بیانات پر مبنی ہو۔[32] معتبر گواہان جتنے زیادہ ہوں گے مؤرّخ کا کام اتنا آسان ہو جائے گا۔ اب مؤرّخ شہادتوں کا باہمی تقابل اور ان میں موجود اغلاط بھی دور کر سکتا ہے، وہ اپنے قابل اعتماد ذرائع کی بنیاد پر کسی بھی نئے گواہ یا راوی کے قابل اعتماد ہونے کا فیصلہ بھی کر سکتا ہے۔

تیسرا ممکنہ منظر نامہ ماخذ کا زیر بحث شہادت کے متعلق تفصیلات فراہم کرنے میں خاموش رہنا ہے۔ اگرچہ اس قسم کی شہادت کو فی الفور ردّ تو نہیں کیا جاتا لیکن عمومی طور پر اس کے متعلق رویہ منفی نوعیّت کا ہی ہوتا ہے۔ شہادت کی تردید کے لیے اس امر کی تعیین ضروری ہے کہ خاموش گواہان کو بھی واقعہ کی مکمل معلومات مہیا تھیں اور وہ اس پوزیشن میں تھے کہ وہ اس واقعہ کو روایت بھی کر سکتے تھے۔[33] تاہم معاملات کے تعین میں یہ بہت مشکل کام ہیں۔

مؤرّخ دستیاب مآخذ کی مکمل چھان پھٹک اور خارجی و داخلی تنقید کے اصولوں کے مکمل اطلاق کے اطمینان کے بعد صحیح صحیح لکھنے کے قابل ہوتا ہے۔ واقعہ کی تشکیل نو کے لیے تمام مواد کی جمع و تدوین کرنا، اس کو ترتیب دینا اور پھر واقعہ کے تجزیہ کے لیے اپنی تصریحات شامل کرنا مؤرّخ کے لیے حقیقتاً ایک مشکل کام ہے۔ جس انداز سے وہ اپنے قابل اعتماد مآخذ کی وضاحت کرتے ہوئے واقعہ کی از سرِ نو تشکیل کرتا ہے، واقعی قابل قدر و تحسین ہے۔

---

[31] Lucey, *History: Methods and Interpretation*, 75.

[32] Lucey, *History: Methods and Interpretation*, 79.

[33] Lucey, *History: Methods and Interpretation,* 84.

منہج حدیث کا تعارف

جدید مغربی تنقیدی تاریخی منہج کے بعد ہم منہج حدیث کا جائزہ لیتے ہیں کہ ابتدائی اسلامی تاریخ اور سیرت نبوی ﷺ کی ثقاہت اور حفاظت کے لیے مسلمانوں نے منہج تنقید کے کون سے اصول وضوابط وضع کیے۔

حدیث کی جمع وتدین کا مختصر جائزہ

اصطلاح میں نبی کریم ﷺ کے اقوال، افعال اور احوال کو حدیث کہتے ہیں۔ یہ احادیث ہی ہیں جن کی بدولت مسلمان اپنے پیغمبر ﷺ کی سیرت اور سنت کی معلومات سے بہرہ مند ہوتے ہیں۔ علمِ حدیث سے واقفیت مسلمانوں کے مذہبی اعتقادات اور اعمال کی انجام دہی کے لیے پیشگی شرط ہے اور اسی اہمیت کے پیش نظر نبی محتشم ﷺ نے اپنی حیات مبارکہ میں اس علم کی اشاعت کا اہتمام فرمایا تھا۔

حدیث وسنت نبوی ﷺ کے پہلے معلّم حضور ﷺ خود تھے۔ نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے پیغمبرانہ ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ کے ساتھ معلم بنا کر بھی بھیجا تھا۔ مشرکین عرب جب آپ ﷺ کی دعوت پر دین اسلام میں داخل ہوئے تو ان کے لیے نئے دینی عقائد، عبادات، اخلاقیات، معاملات اور معاشرت کی تعلیم ایک ناگزیر ضرورت تھی۔ یہی وجہ تھی کہ نبی اکرم ﷺ نے جب اپنے اصحاب کو علومِ نبوّت سے سرفراز کیا تو انہوں نے آپ ﷺ کے لفظ لفظ کو حرزِ جان بنا کر محفوظ کیا، کیونکہ حدیث وسنّت کی حفاظت اور جمع وتدوین کا اہتمام ان کی مذہبی ضرورت بھی تھی اور علمِ نبوت کے ساتھ مشغولیت بھی، یہ اظہار عقیدت بھی تھا اور ذوق ایمانی کی دلیل بھی۔ اس کا اندازہ حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی اس تقریر سے بخوبی ہو جاتا ہے جو انہوں نے نجاشی، شاہِ حبشہ کے دربار میں کی تھی۔[34]

نبی کریم ﷺ نے امّت کی تعلیم کے لیے زبانی، تحریری اور تعامل کے تینوں طریقے اپنائے۔ زبانی تعلیم کے لیے آپ ﷺ حدیث کو تین بار دھراتے تھے تاکہ صحابہ کرامؓ آسانی سے یاد کرلیں اور سمجھ بھی سکیں۔[35] صحابہ کرامؓ نے آپ ﷺ کے اقوال وافعال کمال احتیاط سے محفوظ کیے، ان پر عمل کیا اور ان کی اشاعت کی۔ اپنے پیغمبر ﷺ سے شدید محبت وعقیدت کے باعث وہ حدیث وسنت سے پوری آگہی رکھتے تھے۔ ایسی مثالیں بھی موجود ہیں کہ وہ اجتماعی شکل میں بھی ان احادیث کی ایک دوسرے کو تعلیم دیتے تھے جو کچھ عرصہ قبل انہوں نے اپنے محبوب پیغمبر ﷺ سے سنی تھیں۔[36]

---

[34] ابو محمد بن عبدالملک ابن ہشام، سیرت النبویہ ﷺ، اردو مترجم: سید یٰسین علی حسنی نظامی دہلوی (لاہور: ادارہ اسلامیات، 1994ء)، 216/1، 17۔

[35] محمد بن اسماعیل بخاری، الجامع الصحیح، باب العلم، 30۔

[36] ʿAzami, *Studies in Ḥadīth Methodology and Literature*, 13.

نبی کریم ﷺ کے وصال کے بعد جب صحابہؓ نے اسلامی سلطنت کو عرب سے باہر دور دراز کے علاقوں تک وسعت دی اور اسلام کی اشاعت کے لیے ان علاقوں میں گئے تو علم حدیث بھی ان کے ساتھ گیا۔ اس طرح علم حدیث ایک مقام پر مرتکز نہ رہا بلکہ دنیا کے مختلف حصوں میں پھیل گیا۔ اس وسیع پھیلاؤ کے نتیجے میں احادیث کی روایت میں غلطیوں کے امکانات بھی بڑھ گئے۔ چنانچہ علم حدیث کی حفاظت کے لیے تنقید کے کڑے اصول اپنائے گئے اور فتنہ اوّل کے ظہور کے بعد تو اس اہتمام میں مزید اضافہ ہو گیا۔ اس کے ساتھ ساتھ سنت و حدیث کی اشاعت و ترویج کے بعد علم حدیث کے حصول کے لیے جدید طریقہ ہائے کار وضع کیے گئے۔[37]

تحمل حدیث (Transmission)

اگرچہ حفاظت حدیث کے تمام مناہج بڑی اہمیت کے حامل تھے لیکن ابتدائی طریقہ کار جس میں شیخ اپنے شاگردوں کو احادیث پڑھ کر سناتا تھا، خاص اہمیت رکھتا تھا۔ اس طریقہ کار میں یہ بھی شامل تھا کہ اساتذہ طلباء کی نصابی کتاب سے پڑھتے تھے جو اکثر جزوی یا کلی طور پر اساتذہ کی ہی کتاب کی نقل ہوتی تھی۔ طلباء اپنے اساتذہ کا علمِ حدیث میں رسوخ یوں آزماتے کہ وہ استاد کو کتاب دینے سے پہلے احادیث میں اپنی طرف سے اضافہ کر دیتے۔ وہ اساتذہ جو ان مضافات کی پہچان نہ کر پاتے انہیں "کم مرتبہ اور غیر معتبر" قرار دے دیا جاتا۔[38] دوسری صدی ہجری کے آغاز تک متعلّمین حدیث کا اپنے شیوخ کے روبرو احادیث کا پڑھنا سب سے زیادہ مستعمل طریقہ بن چکا تھا۔[39] یہ مشق سب طلباء کی موجودگی میں ہوتی جو اس کا موازنہ اپنی کتب میں موجود احادیث سے کرتے۔ کتب احادیث کی نقول کی تیاری کا طریقہ کار یہ تھا کہ طلباء جو حدیث اپنے شیخ کے سامنے پڑھ لیتے اس پر نشان لگا دیتے کہ یہ حدیث پڑھی جا چکی ہے اور جب دوسری مرتبہ وہی حدیث پڑھی جاتی تو اس پر ایک اور نشان لگا دیا جاتا۔ راوی کے لیے نقل حدیث کے لیے ضروری تھا کہ وہ حدیث اس شخص سے بنفس نفیس سن چکا ہو اور جو اس نے سنا ہو اسے ہو بہو بیان کرے۔ اس طرح راویوں کی درجہ بندی ضروری ہو گی تاکہ معلوم ہو سکے کہ سب سے بہترین طور پر یہ کام کس نے کیا۔[40]

تیار شدہ نقول کا ازسرنو جائزہ لینے کی ضرورت بھی بہت عرصہ قبل واضح ہو گئی تھی۔ اساتذہ کرام اپنے شاگردوں کی نقول کی تیاری میں ان کی مدد کرتے تھے تاکہ ان میں غلطیوں کی امکان نہ رہے۔ ایک اور انتہائی اہم نکتہ یہ ہے کہ اگر کوئی استاد

[37] ‘Azami, *Studies in Ḥadīth Methodology and Literature*, 49.

[38] ‘Azami, *Studies in Ḥadīth Methodology and Literature*, 17.

[39] ‘Azami, *Studies in Ḥadīth Methodology and Literature,* 19.

[40] John Burton, *An Introduction to the Ḥadīth* (Edinburgh: Edinburgh University Press, 1994), 110-111.

علم حدیث کی تعلیم کے مجوزہ طریقہ کار کی پیروی نہ کرتا یا اپنی کتاب کی تالیف میں ان اصول و ضوابط کی پابندی نہ کرتا تو اس کے متعلق یہی کہا جاتا کہ اس نے احادیث چوری کی ہیں اگرچہ اس کا مواد مستند ہی کیوں نہ ہوتا۔ چنانچہ روایت حدیث کے لیے سب سے اہم شرط اس امر کو یقینی بنانا تھا کہ حدیث مناسب طریقہ سے حاصل کی گئی تھی۔ احادیث کی جانچ پڑتال (خارجی تنقید) کے بہت سے دیگر طریقے بھی ہیں تاہم یہاں یہ جاننا بہت ضروری ہے کہ محدثین نے نقل حدیث کے لیے مخصوص اصطلاحات وضع کی ہیں جن کا انحصار ان کی تراکیب پر ہے جو حدیث کی تعلیم میں استعمال ہوئیں۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ یہ اصطلاحات مثلاً حَدّثنَا، اَخبرنَا اور عَن سے اکثر یہ غلط مطلب لیا جاتا ہے کہ حدیث کی منتقلی خالصتاً زبانی تھی حالانکہ مذکورہ بالا بحث اس مفروضے کے برعکس حقیقت کا ثبوت ہے۔

نقدِ ماخذ (Source Criticism)

جدید مغربی تنقیدی منہج تاریخ میں نقد کی ابتداء واقعہ کے ماخذ سے کی جاتی ہےاور حدیث کا ماخذ (Source) عموماً 'راوی' ہوتا ہے یعنی حدیث کو آگے بیان (Transmit) کرنے والا۔ ہر ایک حدیث دو اجزاء پر مشتمل ہوتی ہے۔ حدیث کا پہلا حصہ جو راویوں کے اسماء پر مشتمل ہوتا ہے اسے "سند" کہتے ہیں اور دوسرا جزو جو درحقیقت نبی کریم ﷺ کے قول یا فعل کی معلومات پر مبنی ہوتا ہے اسے "متن" کہتے ہیں۔ سند سے متعلق جتنے بھی مسائل اور معاملات ہیں وہ علم روایت زیر بحث آتے ہیں، اس علم کے تحت حدیث کے ماخذ (Source) کے مطالعہ اور تنقیدی جائزے سے یہ پتہ چلایا جاتا ہے کہ اس حدیث کا درجہ کیا ہے، جو حدیث کے ماخذ، راوی ہیں یہ کون لوگ تھےاور کن صفات کے حامل تھے۔اس مطالعہ کو خارجی مطالعہ حدیث کہتے ہیں۔[41] حدیث کے متن کا تنقیدی مطالعہ علم درایت اور اصول درایت کے تحت زیر بحث آتا ہے۔ علم درایت میں سند اور متن کے تعلق، متن حدیث میں کیا بیان ہوا ہے، شریعت کے طے شدہ اصولوں اور عقلی استدلال کی میزان میں اس کا کیا وزن ہے؟[42] علم درایت کو داخلی مطالعہ حدیث بھی کہتے ہیں۔ گویا نقد حدیث کو بھی بنیادی طور پر دو حصوں، داخلی تنقید اور خارجی تنقید میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ چنانچہ ذیل میں انہی عنوانات سے نقد حدیث کا جائزہ لیا گیا ہے۔

---

[41] ڈاکٹر محمود احمد غازی، محاضرات حدیث (لاہور: الفیصل ناشران، 2010ء)، 135۔

[42] ڈاکٹر محمود احمد غازی، محاضرات حدیث، 137۔

خارجی تنقید(External Criticism)

خارجی نقدِ حدیث کے مطالعہ کی غرض سے اگر ہم حدیث کی درجہ بندی کرنا چاہیں تو ان اقسام کا دائرہ بہت وسیع ہے تاہم ان میں سے سات اقسام یا مدارج حدیث کے خارجی نقد کے حوالے سے زیادہ اہم ہیں:[43]

1۔ **منتہائے سند:** اس قسم کا تعلق خاص حوالہ سے ہے کہ آیا یہ حوالہ نبی کریم ﷺ تک پہنچتا ہے یا کسی صحابیؓ یا تابعی تک۔ چنانچہ حوالے کی انتہا، مسند الیہ یا منتہی کے اعتبار سے حدیث کی مرفوع، موقوف اور مقطوع کی تین اقسام میں درجہ بندی کی جاتی ہے۔ مرفوع وہ حدیث ہے: ھوما اضیف الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم خاصۃ من قول او فعل او تقریر سواء کان متصلًا او منقطعاً[44] (جس کی نسبت رسول کریم ﷺ سے کی گئی ہو۔ خواہ اس کی سند متصل ہو یا منقطع)۔ موقوف وہ حدیث ہے: وھو مطلّقاًماروی عن الصحابی من قول او فعل، متصلًا کان او منقطعاً[45] (جس میں منتہائے سند کسی صحابیؓ پر ہو یعنی کسی قول، فعل اور تقریر کی نسبت صحابیؓ سے کی گئی ہو چاہے اس کی سند متصل ہو یا منقطع)۔ حدیث مقطوع وہ حدیث ہے: ھو ماجاء عن التابعین من اقوالھم وافعالھم موقوفا علیھم[46] (جس کا سلسہ سند کسی تابعی پر ختم ہو)۔ یہ درجہ بندی بہت اہم ہے کیونکہ اس کے ذریعے نبی کریم ﷺ کے اقوال وافعال اور صحابہ کرامؓ کے اقوال وافعال میں فرق کیا جا سکتا ہے۔

2۔ **اسناد کے مابین تعلق:** حدیث کی درجہ بندی کی دوسری قسم کی بھی کئی نمایاں اقسام ہیں۔ اس قسم میں سب سے اعلیٰ درجہ کی حدیث کو "مسند" کہتے ہیں کیونکہ اس کی سند متصل ہوتی ہے یعنی نبی کریم ﷺ تک سلسہ سند میں کوئی بڑی کڑی غائب نہیں ہوتی۔[47] مسند کے بعد مرسل کا درجہ ہے۔ حدیث مرسل وہ ہے جس کی سند میں ایک طبقہ غائب ہوتا ہے یعنی جس کی سند کا آخری حصہ تابعی کے بعد بیان کیا گیا ہو۔[48] منقطع وہ حدیث ہے جس کی سند سے کوئی راوی ساقط ہو

---

[43] Suhaib Hassan, *An Introduction to the Science of Ḥadīth* (Riyadh: Darussalam, 1996), 14-16.

[44] ابو عبداللہ شرف الدین الحسین بن عبداللہ بن محمد الطیبی ،**الخلاصہ فی علم اصول الحدیث** (کراچی: دارالنشر، 1413ھ)،44۔

[45] السیوطی، تدریب الراوی، 184۔

[46] الدکتور محمود الطحان، **تیسیر مصطلح الحدیث** (ریاض: مکتبہ المعارف، 1985)، 32۔

[47] احمد بن علی العسقلانی ابن حجر، **نزھۃ النظر**، (ملتان: فاروقی کتب خانہ، س۔ن)، 105۔

[48] ابن حجر، **نزھۃ النظر**، 66،67۔

یا اس میں کوئی مبہم راوی ذکر کیا گیا ہو۔[49] معضل وہ حدیث ہے جس کی سند کے درمیان میں سے دو یا زیادہ راوی مسلسل حذف ہو گئے ہوں۔[50] اگر اسناد بالکل ہی غائب ہوں اور مصنف نبی کریم ﷺ کا قول یا فعل براہ راست بیان کرے تو اس حدیث کو "معلق" کہتے ہیں۔[51]

3۔ اسناد کے ہر طبقے میں راویوں کی تعداد: درجہ بندی کی تیسری قسم میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ اسناد کے ہر مرحلہ میں کتنے راوی موجود ہیں۔ باالفاظ دیگر کتنے راویوں کا تعلق ایک ہی نسل سے ہے۔ اس لحاظ سے اس کی دو نمایاں اقسام ہیں، "متواتر" اور "آحاد" یا "خبر واحد"۔ متواتر وہ حدیث ہے جس کی روایت لوگوں کی ایک کثیر تعداد نے کی ہو اور راویوں کی اس کثیر تعداد کا جھوٹ پر متفق ہونا عادتاً اور عقلاً محال ہو۔ اور وہ جماعت جس دوسری جماعت سے روایت کرتی ہو وہ بھی اسی طرح کی ہو اور یہ وصف سند کے آغاز، وسط اور آخر میں موجود رہے۔[52] راویوں کم از کم مطلوبہ تعداد کے بارے میں علمائے حدیث کی مختلف آراء ہیں اور یہ تعداد چار سے کئی سو تک ہو سکتی ہے۔[53] آحاد وہ حدیث ہے جس کے راویوں کی تعداد حدیث متواتر کے راویوں سے کم ہوتی ہے یا خبر واحد وہ ہے جسے ایک شخص روایت کرے۔[54] 'غریب' حدیث کی وہ قسم ہے جس کی صرف ایک سند ہو یعنی جس کا راوی صرف ایک ہو، خواہ ہر طبقہ میں ایک ہو یا کسی طبقہ میں زائد بھی ہو گئے ہوں[55] اور اگر سند کے راوی ہر طبقہ میں تین یا اس سے زائد ہوں لیکن تعداد میں متواتر سے کم ہوں تو ایسی حدیث کو 'مشہور' کہتے ہیں۔[56] اگرچہ یہ اصطلاح ان احادیث کے لیے بھی استعمال ہوتی ہے جن کا آغاز بطور غریب کا عزیز ہوتا ہے اور لیکن اختتام تک راویوں کی تعداد بڑھ جاتی ہے۔

---

[49] عمادالدین ابوالفداء اسماعیل ابن کثیر، **الباعث الخثیث شرح اختصار علوم الحدیث** (بیروت: دارالکتب العلمیہ، 1983ء)، 47۔

[50] ابو عمرو عثمان بن عبدالرحمٰن الشہرزوری المعروف ابن الصلاح، **علوم الحدیث المعروف مقدمه ابن الصلاح** (دمشق: دارالفکر، 1984ء)، 81۔

[51] الطحان، تیسیر مصطلح الحدیث، 49۔

[52] عجاج الخطیب، اصول حدیث، 301۔

[53] Azami, *Studies in Ḥadīth Methodology and Literature*, 43.

[54] ابن حجر، **نزهةالنظر**، 21۔

[55] ابن حجر، **نزهةالنظر**، 21۔

[56] ابن حجر، **نزهةالنظر**، 17۔

4۔ روایت حدیث کے طریقہ کار: چوتھی قسم میں حدیث کی درجہ بندی اخذ حدیث تحمل حدیث کے مختلف مراتب اور طرائق کے لحاظ سے کی جاتی ہے۔ اخذ حدیث کے آٹھ طرق ہیں: سماع، قرات، اجازہ، مناولہ، مکاتبہ، اعلام، وصیت، اور وجادۃ۔ یہ سب طریقے اس کی نشاندہی کرتے ہیں کہ راوی نے اپنے شیخ سے کس ذریعہ سے حدیث لی اور انہی کی وجہ سے ضعیف اور مدلّس احادیث کی نشاہدہی ہوتی ہے۔ مدلّس وہ حدیث ہے جس میں سقط خفی ہو یعنی راوی اپنے استاد کو حذف کرکے مافوق سے اس طرح روایت کرے کہ استاد کا مخذوف ہونا معلوم نہ ہوتا ہو بلکہ یہ محسوس ہو کہ مافوق ہی سے سنا ہو۔[57] یہ اس اصول کی خلاف ورزی ہے کہ راوی بہ نفس نفیس دوسرے راوی سے سنے۔[58] تدلیس کی بدترین قسم 'تدلیس تسویہ' ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی راوی کے شیخ کا نام اس لئے ذکر نہ کیا جائے کہ وہ ضعیف ہے۔ اس کی بجائے یہ ظاہر کیا جائے کہ حدیث صرف ثقات سے مروی ہے تاکہ اسے صحیح اور مقبول قرار دیا جائے۔[59]

5۔ راویوں کی ثقاہت اور حافظہ: حدیث کی درجہ بندی کی پانچویں قسم اس کے متن کی نوعیت اور اسناد کے اعتبار سے ہے۔ جیسے ملا علی قاری (م1014ھ) کے مطابق اگر کوئی مقبول راوی ایسے راوی کے خلاف روایت کرے جو مرتبہ میں اس سے بلند ہو تو ایسی روایت کو 'شاذ' کہتے ہیں۔[60] یا ابن حجر عسقلانی (م852ھ) کے مطابق اگر کوئی ضعیف راوی کسی ثقہ راوی کے خلاف بیان کرے تو اس کے بیان کو منکر کہتے ہیں۔[61] ایسی حدیث جو نبی کریم ﷺ کی عمومی تعلیمات اور ارشادات سے متصادم ہو اسے بھی حدیث منکر ہی شمار کیا جاتا ہے۔ اگر ایک حدیث میں کچھ اضافی ملومات ہوں جو دیگر مستند مصادر سے مماثل نہ ہوں اور اس حدیث کا راوی ثقہ ہو تو اس اضافی علم کو قبول کرلیا جاتا ہے جب تک وہ دیگر ثقہ روایات کے برعکس نہ ہو۔ اس اضافہ کو زیادہ ثقہ تصور کیا جاتا ہے اور اس حدیث کو 'مدرج' کہتے ہیں۔[62] کسی حدیث میں ایسا اضافہ عموماً اس کے متن میں ہوتا ہے اور بسا اوقات کسی مشکل لفظ کی وضاحت میں بھی استعمال ہوتا ہے۔[63]

6۔ اسناد کی نوعیت اور متن: چھٹی قسم میں ان احادیث کا شمار کیا جاتا ہے جن کی اسناد یا متن میں خفیہ نقائص موجود ہوں۔ ایسی احادیث کو 'معلول' یا 'معلل' کہا جاتا ہے۔ محدثین کے نزدیک معلل وہ حدیث ہے جس میں کسی ایسی علت

---

[57] جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور، **لسان العرب** (بیروت: داراحیاء التراث العربی، 1988ء)، 6/ 86۔

[58] Burton, *An Introduction to the Ḥadīth*, 112.

[59] ابن کثیر، **الباعث الخثیث شرح اختصار علوم الحدیث**، 64۔

[60] ملا علی بن سلطان محمد القاری، **مصطلاحات الاثرفی شرح نخبة الفکر** (کوئٹہ: 1397ھ)، 87۔

[61] ابن حجر، **نزهة النظر**، 50،51۔

[62] ابن کثیر، **الباعث الخثیث شرح اختصار علوم الحدیث**، 80۔

[63] Hasan, *An Introduction to the Science of Ḥadīth*, 39.

کا پتہ چلے جس سے حدیث میں قدح وارد ہو جاتی ہو اگرچہ بظاہر وہ حدیث علل سے سالم و محفوظ نظر آتی ہو۔[64] حدیث کی علت معلوم کرنے کے لیے وسعت علم، قوت حافظہ اور فہم دقیق کی ضرورت ہوتی ہے۔

اسناد یا متن کے متعلق اگر عدم اطمینان ہو تو اس حدیث کو 'مضطرب' کہا جاتا ہے۔اصطلاح میں مضطرب وہ حدیث ہے جس کی متعدد روایات ہوں جن میں اختلاف ہو اور تعدد کے باوجود ان میں اس طرح کی مساوات پائی جاتی ہو کہ کسی طرح بھی ایک روایت کو دوسری کے مقابلہ میں ترجیح نہ دی جا سکتی ہو۔ بعض اوقات ایک ہی راوی اس حدیث کو دو یا دو سے زیادہ مرتبہ روایت کرتا ہو یا دو سے زیادہ راوی اس حدیث کو روایت کرتے ہوں۔[65]

7۔احادیث کی اسناد میں پائی جانے والی خفیہ خامیاں: ساتویں قسم جو یہاں موضوع بحث ہے وہ راویوں کی صلاحیت کے متعلق ہے اور یہ ایسی قسم ہے جس پر کسی حدیث کی تنقید کے حوالے سے حتمی فیصلے کا انحصار ہوتا ہے۔ایسی احادیث جن کے راوی عادل اور ضابط ہوں، متقی اور کبائر سے اجتناب کرنے والے ہوں ان احادیث کو ' صحیح احادیث' کہا جاتا ہے۔[66] کسی راوی کے عادل شمار کیے جانے کے لیے ضروری ہے کہ وہ تمام معاملات میں سچائی پر عمل پیرا ہو۔ کسی حدیث کے متن پر مختلف راویوں کے اتفاق کے محتاط موازنہ سے یہ بات اخذ کی جا سکتی ہے کہ ان میں سے کون زیادہ ثقہ، زیادہ معتبر، مستند اور بہتر حافظہ کا مالک تھا۔اگر کوئی محدث ان مدارج میں سے کسی ایک یا زیادہ میں کم تر پایا جائے لیکن اس پر تنقید نہ کی جا سکتی ہو تو اس صورت میں اس سے مروی حدیث کو 'حسن' کہا جاتا ہے۔راوی خفیف الضبط ہو یعنی اس کی یادداشت ناقص ہو اور صحیح لذاتہ کی باقی سب شرطیں اس میں موجود ہوں یعنی اتصال سند، عدالت رواۃ، روایت کا عدم شاذ ہونا اور سند کا علتِ خفیہ سے پاک ہونا۔[67]

بلاشبہ کسی حدیث کی درجہ بندی کے متعلق حتمی فیصلہ کی غرض سے دیگر عوامل بھی لائق اعتناء ہیں اور ابن الصلاح (م643ھ) کے بقول: "ایک صحیح حدیث وہ حدیث ہے جس کی اسناد متصل ہوں، قابل اعتبار حافظہ والے راویوں نے اسے ایک سند سے روایت کیا ہو اور اس میں کسی قسم کی بے ضابطگی یا نقائص نہ پائے جائیں نہ متن میں نہ سند میں"۔[68] امام ترمذی کے نزدیک ہر وہ حدیث حسن کہلاتی ہے جس کے راویوں میں سے کسی پر جھوٹ بولنے کا

---

[64] محی الدین یحیٰ بن شرف ابوزکریا النووی، **التقریب فی اصول الحدیث** (بیروت: دار الکتاب العربی 1401ھ)، 1۔

[65] عجاج الخطیب، **اصول الحدیث**، 344۔

[66] ابن حجر، **نزھۃ النظر**، 13۔

[67] القاسمی، **قواعد التحدیث**، 102۔

[68] ابن الصلاح، **المقدمہ مع الشرح**، 124۔

الزام موجود نہ ہو، جو شاذ نہ ہو، اور اسے اسی طرح سے روایت کیا گیا ہو[69] اور وہ حدیث جو 'حسن' کی مطلوبہ شرائط پوری نہ کرے اسے 'ضعیف حدیث' شمار کیا جاتا ہے اور اکثر ایسا اسناد میں عدم تسلسل کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اس حدیث کو بھی ضعیف قرار دیا جاتا ہے جس کی سند میں کوئی راوی اچھی شہرت نہ رکھتا ہو خواہ اس کی کوئی بھی وجہ ہو چاہے راوی سے غلطیوں کا ارتکاب یا بد دیانت ہونا ہو۔[70] اگر حدیث میں نقائص کئی اور شدید ہوں تو پھر حدیث اس درجہ کے قریب ہوتی ہے کہ اسے 'موضوع' قرار دے دیا جائے۔ موضوع حدیث اس جھوٹی حدیث کو کہتے ہیں جس کو گھڑ کر نبی کریم ﷺ سے منسوب کر دیا جائے۔[71] الذہبی کے مطابق موضوع حدیث ایسی حدیث ہوتی ہے جس کا متن نبی کریم ﷺ کے اقوال کے طے شدہ اصولوں کے اور روایات کے خلاف ہو یا جس کی اسناد میں کوئی جھوٹا راوی شامل ہو۔[72] ایسی حدیث کو بھی موضوع قرار دیا جاسکتا ہے جس میں کسی خاص واقعہ کے رونما ہونے کی تاریخ اور اوقات میں غلطی خارجی شبہات کی وجہ سے ہو۔[73]

داخلی تنقید(Internal Criticism)

علماءِ حدیث نے نقدِ سند کے ساتھ نقدِ متن پر بھی بھرپور توجہ دی بلکہ اگر نقدِ متن کی تاریخ پر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ محدثین سے قبل اس کا سلسلہ عہدِ صحابہ کرامؓ سے ہی شروع ہو چکا تھا۔[74] محدثین کے نزدیک نقدِ متن کا مطلب ہے کہ حدیث کے الفاظ اور مضمون پر تحقیق کرنا کہ اس میں کوئی ایسا نقص تو نہیں جو اس حدیث کی صحت کو مشکوک بنا دے۔ حدیث کے خارجی اور داخلی نقد کا حاصل اور مقصد ایک ہی ہے یعنی صحیح روایت کا حصول۔ چنانچہ محدثین جب صحیح حدیث کی تعریف ذکر کرتے ہیں تو اس میں سند کے ساتھ ساتھ متن کی تحقیق کے اُصول بھی شامل کرتے ہیں۔ محدثین کی ذکر کردہ صحیح حدیث کی تعریف ملاحظہ فرمائیے:

> **أما الحديث الصحيح فهو الحديث المُسند الذي يتصل إسناده بنقل العدل الضابط إلى منتهاه ولا يكون شاذًا ولامعللًا۔**[75]

---

[69] ترمذی، **جامع ترمذی مع شرحه تحفة الاحوذی**، کتاب العلل، 519/10۔

[70] ابن الصلاح، **المقدمه**، 89۔

[71] الطحان، **تيسير مصطلح الحديث**، 56۔

[72] شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان ابو عبداللہ الذہبی، **تذکرۃ الحفاظ** (بیروت: دارالکتب العلمیہ، 1998ء)، 50۔

[73] Hassan, *An Introduction to the Science Ḥadīth*, 49.

[74] محمد لقمان سلفی، **اہتمام المحدثین بنقد الحدیث سندا و متنا** (الریاض: دار الداعی والنشر والتوزیع 2001ء)، 311۔

[75] ابن الصلاح، **مقدمة**، 7۔

اس تعریف میں صحتِ حدیث کے لئے محدثین نے جن پانچ شرائط کا ذکر کیا ہے، ان میں سے پہلی تینوں کا تعلق تو سند کے ساتھ ہے (لیکن یہ یاد رہے کہ چونکہ مقصود متن ہوتا ہے اور سند محض اس تک پہنچنے کا ایک ذریعہ ہی ہوتی ہے، لہٰذا یہ شرائط بھی نتیجہ تحقیق متن پر ہی منتج ہوتی ہیں) تاہم آخری دونوں شرائط کا تعلق براہِ راست متن کے ساتھ ہے۔

چنانچہ یہ بات واضح ہے کہ تحقیق حدیث کے حوالے سے محدثین نے سند و متن دونوں کو اہمیت دی ہے اور دونوں کے جامع اُصول مرتب فرمائے ہیں جو بعد کے تمام اَدوار کے لئے یقینا کافی شافی ہیں۔ڈاکٹر صبحی صالح فرماتے ہیں: علم مصطلح الحدیث بطبیعتہ تعریفہ علی مباحث الاسناد بل یجاوز ھاإلی المسائل المتعلقہ بالمتن إیضاً[76] (اصطلاح حدیث کا علم اپنی طبیعت کے لحاظ سے سند کے مباحث کے لیے خاص نہیں ہے بلکہ متن سے متعلق جو مباحث ہیں وہ بھی اس میں شامل ہیں)۔

احادیث کا مطالعہ ایک پیچیدہ عمل ہے اور یہ محسوس ہوتا ہے کہ محدثین نے احادیث کے تنقیدی تجزیے میں ہر ممکنہ زاویہ کا خیال رکھا ہے جس کا مقصد روایات کی مختلف اقسام کی تصدیق کرنا تھا تاکہ مستند حدیث کو غیر مستند سے ممیّز اور جدا کیا جاسکے۔ انہوں نے بڑی حزم واحتیاط سے احادیث کو تحقیق و تنقید کی کسوٹی پر کرکھا۔ اصول تنقید، علم جرح، علم تعدیل اور علم اسماء الرجال وغیرہ کا اطلاق کرکے نہات جانفشانی اور محنت شاقہ سے صحیح اور ضعیف احادیث میں تمیز کی کوشش کی۔[77] نقد سند اور متن کو عقلی اور درایتی معیارات کی ٹھوس بنیادیں فراہم کیں۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ کتبِ اُصول میں صحتِ حدیث کی اوّلین شرط 'عدالت' مکتوب ہے اور عدالت کے متحقق ہونے کے لئے جن شرائط کا پایا جانا ضروری ہے، ان میں سے ایک عقل بھی ہے۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ صرف اس راوی کی روایت قبول کی جائے گی جو روایت لیتے وقت غفلت، سستی اور لاپرواہی جیسے رذائل سے کنارہ کش ہوتے ہوئے مکمل عقل و فکر سے کام لینے والا ہو اور ہر حدیث کو عقل سلیم کے سانچے میں پرکھنے کے بعد ہی قبول کرے۔ علاوہ ازیں ضبطِ راوی سے بھی یہی مراد ہے کہ راوی بیدار مغز ہو، سہو و نسیان اور تساہل کا شکار نہ ہو اور پورے غور و فکر اور توجہ کے ساتھ روایت سن کر اسے من و عن آگے بیان کردے۔ یہی وہ اساسی شرائط ہیں جن کی بنا پر کسی راوی کے مقبول یا غیر مقبول ہونے کا حکم لگایا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں احادیث پر صحت و سقم کا حکم لگاتے وقت بھی محدثین نے عقل کو ملحوظ رکھا ہے۔یہی وجہ ہے کہ اُنہوں نے وضع حدیث کی علامات میں یہ بھی ذکر فرمایا ہے کہ روایت عقل عام کے خلاف نہ ہو۔

---

[76] صبحی صالح، **علوم الحدیث و مصطلحه** (بیروت: دار العلم، 1984ء)، 260۔

[77] ظفر، **علوم الحدیث**، 300، 301۔

ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمی کے مطابق ادب حدیث میں بہت شروع سے ہی عقل کو خاص مقام و مرتبہ دیا گیا۔انہوں نے عبدالرحمٰن معلّمی الیمانی[78] کے حوالے سے لکھا ہے کہ تحمل حدیث کے وقت، ادائے حدیث کے وقت، رواۃ پر حکم لگاتے وقت اور احادیث پر حکم لگاتے وقت خاص طور پر عقل کا اطلاق کیا گیا۔

> From the very beginning, *Aql* was given its proper place in hadith literature. According to *al-Mu'allimī al-Yamanī*, it was applied at every stage of hadith, in the learning of hadith, in the teaching hadith, in judging the narrators, and in judging the authenticity of the hadith.[79]

فن حدیث اور جدید فن تاریخ کا تقابلی مطالعہ

اس حقیقت کے باوجود کہ اولین علمائے حدیث اور عصر حاضر کے جدید مؤرّخین کے درمیان صدیوں کا فاصلہ حائل ہے تاہم یہ بات محسوس کی جاسکتی ہے اور اس میں کوئی ابہام بھی نہیں کہ مذکورہ بالا دونوں مناہج کی تنقید کے ضمن میں بہت سی مشترک اقدار موجود ہیں۔ علمائے حدیث اور جدید مؤرّخین دونوں کو معلومات کے سمندر سے سچائی تلاش کرنے اور اسے ثابت کرنے کے لیے خاص طریقہ ہائے کار وضع کرنا پڑے۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا ہے کہ داخلی اور خارجی تنقید کے طریقہ ہائے کار سے ایک مؤرّخ ایک خاص ماخذ یا شہادت کی ابتداء کے متعلق تحقیق و تفتیش کرتا ہے آیا کہ اس کے انتقال کے دوران اس میں کوئی تبدیلی تو نہیں کی گئی۔ وہ شہادت کے درست معانی کی بھی تحقیق کرتا ہ اور اس بات کا بھی بغور جائزہ لیتا ہے کہ گواہ جو شہادت دے رہا ہے وہ اس بات کا مجاز اور صادق ہے۔[80]

جہاں تک حدیث کا تعلق تو اس کا ماخذ تابعی، صحابیؓ یا رسول اللہ ﷺ خود ہوتے ہیں۔ شیوخ الحدیث جس انداز سے احادیث کو پرکھتے ہیں وہ بذریعہ اسناد ایک عمیق جائزہ ہے اور اسناد کے بغیر کسی حدیث کی کوئی اہمیت نہیں۔ اسلامی شریعت میں حدیث کے ماخذ کا علم ہونا ناگزیر اہمیت کا حامل ہے کیونکہ یہی اصول طے کرے گا کہ آیا کسی حدیث کو قانونی حیثیت حاصل ہوگی یا اسے اسلامی عقائد میں شامل کیا جاسکتا ہے یا نہیں۔ گمنام شہادتوں کو مؤرّخین کی جانب سے قبول کیے جانے کا رواج مندرجہ بالا اصول سے متصادم ہے جو ان کی تحقیق اور مطالعہ کی نوعیت کے لحاظ سے سمجھ سے بالا

---

[78] عبدالرحمٰن معلّمی الیمانی، **انوارالکاشفہ**،مدیر: ناصرالدین البانی (قاہرہ: دارالمعارف، 1378ھ)، 6، 7۔

[79] Muhammad Mustafā 'Azami, *Studies in Ḥadīth Methodology and Literature* (Plainfield: American Trust Publications, 1978), 57.

[80] Lucey, *History: Methods and Interpretation*, 46.

تر ہو۔ علمائے حدیث مؤرّخین کی طرح احادیث کی تواریخ اور مقامات کا علم بھی استعمال کرتے ہیں تاکہ اسناد میں موجود سقم کی نشاندہی کی جاسکے۔ مؤرّخین کی طرح محدثین بھی ماخذ حدیث کے متعلق زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرنے پر زور دیتے ہیں۔ محدثین اور مؤرّخین دونوں کے نزدیک سچائی اور دیانت داری تمام حوالوں سے بدرجہا قابل ترجیح ہیں تاہم مؤرّخین کو ان مآخذ سے واسطہ پڑتا ہے جن کے راویوں کے ذہن میں عموماً مؤرّخین کا مفاد نہیں ہوتا۔ مثال کے طور پر یہ کہا گیا ہے کہ:

> American historical documents have suffered more from incompetent editorial work than from deliberate interpolation.[81]

نقول کی تیاری میں عدم احتیاط مآخذ کی منتقلی میں خرابی کی ایک بڑی وجہ ہے اور جیساکہ گزشتہ اوراق میں ذکر کیا جاچکا ہے کہ جو لوگ احادیث کی تدوین کے عمل میں شامل تھے انہوں نے نقول کی تیاری میں سرزد ہونے والی اغلاط کو کم کرنے کے لیے انسانی استعداد کی حد تک انتہا کردی تھی۔ یہ بات بھی ثابت شدہ ہے کہ صحابہ کرامؓ نا صرف احادیث کو حفظ اور کتابت کے ذریعے محفوظ کر لیتے تھے بلکہ وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پیش ہو کر ہر سنی ہوئی حدیث کی تصدیق بھی کرتے تھے۔ بعض اوقات نبی کریم ﷺ اپنے صحابہؓ کو تعلیم دینے کے بعد ان سے سوالات بھی کرتے تھے کہ انہوں نے کیا سیکھا ہے۔ آپ ﷺ کے بعد اپنے شیوخ کے سامنے حدیث کے طالب علم وہ احادیث دہراتے تھے جو انہوں نے سیکھی ہوتی تھیں اور اس علمی مجلس میں وہ طلباء بھی موجود ہوتے تھے جن کے پاس بھی ویسی ہی معلومات ہوتی تھیں۔ ایک کتاب کی تکمیل پر استاد طالب علم کی نقل پر دستخط کردیتے اور طالب علم کو صرف انہی احادیث کی آگے نقل کرنے کی اجازت ہوتی جو اس کتاب میں درج ہوتیں۔[82]

تاہم حدیث کے درست سماع کو یقینی بنانے کے لیے براہ راست زبانی روایت کا ثبوت بہت اہمیت کا حامل تھا کیونکہ محض حدیث کا سن لینا ہی اس کی صحیح روایت کا ضامن نہیں ہوسکتا، دراصل کسی بھی طالب حدیث کی روایت کی قبولیت کے لیے یہ لازمی شرط تھی کہ اس نے وہ حدیث یاد کی ہو۔[83] مزید برآں، جیساکہ گزر چکا کہ دیانت کے ثبوت کے لیے سند بھی کم اہمیت کی حامل نہیں کیونکہ حدیث کی ثقاہت کے لیے زمان و مکان اور رجال کے متعلق علم سے ہی کسی حدیث کی سند کا متصل یا مسلسل ہونے کا تعین کرنا ممکن ہوتا ہے۔ اسی طرح مؤرّخین ایک ماخذ کے شجرہ (سند) کا تجزیہ کرتے ہیں

---

81 Lucey, *History: Methods and Interpretation*, 63.

82 'Azami, *Studies in Ḥadīth h Methodology and Literature*, 70.

83 Burton, *An Introduction to the Hadith*, 110.

تاکہ معلوم ہوسکے کہ کیا یہ ماخذ ان تک واقعی "line of well-known owners" (سلسلہ رجال) کے توسط سے پہنچا ہے۔[84]

جدید مؤرّخین اور محدثین دونوں کسی شہادت کو درست طور پر سمجھنے کی اہمیت کو تسلیم کرتے ہیں۔ اس مقصد کے حصول کے لیے مؤرّخین اور محدّثین کا متعلقہ زبانوں میں ماہر ہونا اور ان میں پائے جانے والے نازک فرق سے کامل طور پر آگاہ ہونا ضروری ہے۔ درحقیقت احادیث کی ایک اضافی درجہ بندی بھی ہے جو کہ راوی کے مشکل الفاظ کے علم پر مبنی ہے۔[85] کسی شہادت کی ثقاہت کے تجزیے کے لیے علمائے حدیث اور مؤرّخین دونوں کے لیے ضروری اہلیت یہ ہے کہ وہ اس شہادت کا پوری طرح ادراک بھی رکھتے ہوں کیونکہ ایسی شہادت کو رد کردیا جاتا ہے جس میں اغلاط ہوں یا ایسے خیالات پر مشتمل ہو جو کہ مجوزہ مصنف کے منہج کے منافی ہوں۔[86] جیسے بعض احادیث اسی لیے رد کردی جاتی ہیں کہ وہ اسلامی تعلیمات اور شریعت سے متصادم یا دیگر حقائق کے منافی ہوتی ہیں۔ ایک محدث کے لیے ایک ضروری اور اضافی صلاحیت یہ ہے کہ وہ احادیث کو کامل طور پر سمجھتا ہو تاکہ روزمرہ کی زندگی میں بہتر طور پر معاشرہ میں ان احادیث کا اطلاق کیا جاسکے۔

دونوں طریقہ ہائے کار میں راویوں یا رجال کی مسلم اہمیت ایک قدر مشترک ہے۔ مغربی مؤرّخ کے لیے عینی شاہد کو شہادت دینے کا مجاز اور صادق ثابت کرنا بہت ضروری ہے کیونکہ گواہ کی اخلاقی بلندی بہت ضروری ہے۔ علمائے حدیث کی جانب سے عائد کردہ شرائط مزید سخت ہوتی ہیں جن کی سختی، صورت حال کی مناسبت سے ہوتی ہے کیونکہ ان کا معاملہ ایسی روایتوں سے ہے جن کے راویوں کی زندگیوں پر دوررس اور نمایاں اثرات ہو سکتے ہیں۔اس معاملہ کی اہمیت کا اندازہ رجال حدیث کی سوانح حیات پر لکھی جانے والی ضخیم کتب اور علمِ حدیث میں اسماء الرجال کے مقام سے بخوبی کیا جاسکتا ہے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ محدثین کرام تقریباً تمام راویوں کے متعلق مکمل علم رکھتے تھے کہ انہوں نے کتنی احادیث آگے روایت کیں اور ان کی کتنی روایات کو دیگر اسلامی دنیا کے راویانِ حدیث نے قبول یا ردّ کیا ہے۔[87] راویوں کی ثقاہت کا تعین احادیث کے محتاط تقابل جیسے انتہائی کٹھن اور صبر آزما عمل کے ذریعے کیا جاتا تھا۔ اس تقابلی عمل میں ایک محدث کی ذمہ داریوں کی چند نمایاں صورتیں یہ تھیں:[88]

[84] Lucey, *History: Methods and Interpretation*, 58.

[85] Hasan, *An Introduction to the Science of Hadith*, 52.

[86] Lucey, *History: Methods and Interpretation*, 58.

[87] ʻAzami, *Studies in Ḥadīth Methodology and Literature*, 72.

[88] ʻAzami, *Studies in Ḥadīth Methodology and Literature*, 52.

- کسی ایک محدث کے طالب علموں کی احادیث کا باہمی تقابل کرنا۔
- خود اسی استاد حدیث کی مختلف اوقات میں مختلف روایات کا موازنہ بھی کرنا۔
- زبانی روایات اور تحریری روایات کا تقابل کرنا۔
- احادیث اور ان سے متعلقہ قرآنی متن کا تقابل کرنا۔

اس تقابلی طریقہ کار پر عمل سے محدث نہ صرف استاد اور طلباء سے سرزد اغلاط دریافت کر سکتا تھا بلکہ وہ اس علم کو بروئے کار لاتے ہوئے احادیث کی درجہ بندی بھی کر سکتا تھا۔ یہ تنقیح یا پڑتال وضعی احادیث کی نشاندہی کے لیے بھی ایک ضروری آلہ کا کام دیتی تھی۔

مؤرّخین اور محدثین نے جعلی اور من گھڑت مواد کی تحقیق کے لیے دیگر ذرائع بھی استعمال کیے۔ مؤرّخین کاغذ، استعمال شدہ روشنائی اور رنگ روغن وغیرہ کی قدامت کا تعین کرنے کے لیے کیمیائی تجزیات کرتے ہیں۔[89] بعینہٖ محدثین کے درمیان بھی حدیث کی تحریر میں استعمال روشنائی اور کاغذ کے زمانے کا پتہ چلانے کی تحقیق کرنا ایک معروف دستور تھا اگرچہ وہ تحریر شدہ حدیث مشہور اور ثقہ ہی کیوں نہ ہوتی کیونکہ مقصد اس امر کا تعین کرنا تھا کہ آیا یہ حدیث مستند طریقہ سے حاصل کی گئی ہے یا نہیں۔[90]

بنیادی اصول میں ایک اور قدر مشترک یہ ہے کہ کسی ایک گواہ کو اگر مغربی مؤرّخین شہادت کا مجاز اور ایماندار تصور کرتے ہیں تو خبر واحد کو بھی قبولیت کا درجہ دیتے ہیں۔ خبر احاد کا درجہ تمام محدثین کے نزدیک یکساں نہیں ہے۔ ان کے درمیان اختلاف کا مرکزی نقطہ یہ تعین کرنا ہے کہ آیا خبر احاد کو عقائد کے معاملات میں قبول کیا جاسکتا ہے یا نہیں۔ تاہم شرعی اور فقہی معاملات میں ان کو قبول کرلیا جاتا ہے۔ مزید برآں جدید مغربی مفکرین اور محدثین دونوں ان شہادتوں کو ترجیح دیتے ہیں جن کی تائید دیگر گواہان کی ایک کثیر تعداد کرتی ہو۔ محدثین اس قسم کی شہادت یا روایت کو 'متواتر' کا اصطلاحی نام دیتے ہیں۔

ایک اور قدر مشترک جو ان دونوں مناہج میں پائی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ کچھ لوگوں کی شہادتوں کو کسی خاص وجہ کے بغیر چیلنج نہیں کیا جاتا اگر ان کی ذہانت و فطانت، اخلاقی کردار اور صداقت معروف و مسلم ہو۔ مؤرّخین اس رائے پر متفق ہیں کہ کسی ایسی شخصیت جیسے جارج واشنگٹن کی شہادت کو چیلنج کرنے کی اس وقت تک کوئی ضرورت نہیں جب تک اس کے خلاف کوئی قوی شہادت موجود نہ ہو۔[91] بعض محدثین مرسل حدیث کی بابت بھی ایسا ہی معاملہ کرتے ہیں۔ اگر سند

[89] Lucey, *History: Methods and Interpretation*, 58.

[90] ‘Azami, *Studies in Ḥadīth Methodology and Literature*, 72.

[91] Lucey, *History: Methods and Interpretation*, 78.

میں سے صرف صحابیؓ کا نام ہی خذف ہو تو اس صورت میں حدیث کو مستند خیال کیا جاتا ہے کیونکہ صحابہ کرامؓ کے بارے میں یہ مسلمہ اصول ہے کہ وہ قرآنی تعلیمات اور دیگر احادیث کی روشنی میں معتبر شخصیات ہیں۔ تاہم اگر تابعی نے کسی دوسرے تابعی اور صحابیؓ کے نام ذکر نہ کیے ہوں تو اس صورت میں آراء مختلف ہیں۔[92]

مندرجہ بالا مشترک اقدار کے باوجود دونوں مناہج میں ایک بڑا فرق موجود ہے اور وہ صدیوں پر محیط زمانے کی خلیج ہے۔ تاریخ اسلام کے اولین موؤرخ یہی محدثین تھے اور ابتدائی اسلامی تاریخ سیرت و حدیث پر ہی مشتمل تھی۔ محدثین کے اصول اور نقدِ حدیث کے منہج اور جدید مغربی موؤرخین کے مآخذ کے تجزیے اور تنقید کے طریقہ کار کے مابین بہت سی اقدار مشترک ہیں اور حدیث کے بہت سے امتیازات بھی۔ درحقیقت ان مناہج کی مذکورہ بالا بحث ایک انتہائی تفصیل طلب اور پیچیدہ طریقہ کار کا صرف خاکہ ہی کہی جا سکتی ہے۔ احادیث کی درجہ بندی کے لحاظ سے دیگر اقسام بھی ہیں جو یہاں ذکر نہیں کی جا سکیں۔ مندرجہ بالا بحث کا مقصد تاریخی مآخذ کی صداقت و ثقاہت کی جانچ کے طریقہ کار کے تجزیاتی مطالعہ کے نتیجے میں ہم تدوینِ حدیث کی مضبوط بنیادوں کی نشاندہی کرنا ہے۔ عصر حاضر میں دونوں مناہج کے علماء کو سخت چیلنج درپیش ہیں لیکن مستشرقین کا اصرار ہے کہ ان مشکلات کا شکار صرف محدثین ہی ہیں حالانکہ دنیا کی پہلی مستند تاریخ، اسلامی تاریخ کی بنیادیں انہی محدثین کی گراں قدر کاوشوں کا منہ بولتا ثبوت ہے اور یہ حقیقت ہے کہ مسلمانوں نے حدیث اور سیرت کی ثقاہت کے وہ معیار مقرر کیے ہیں جنہوں نے تاریخ نویسی کو نئی جہات سے روشناس کرایا ہے۔

92 Hasan, *An Introduction to the Science of Ḥadīth*, 24.